اخوانی شیعیت
1979ء کے ایرانی انقلاب کی فکری اور سماجی بنیاد
زیر اہتمام
شعبہ نشر و اشاعت مرکز ولایت علیؑ پاکستان (سندھ)

1979ء کے ایرانی انقلاب
کی فکری اور سماجی بنیاد

شعبہ نشر واشاعت مرکز ولایت علی پاکستان (سندھ)

تمہید

کہتے ہیں کہ یہ زمانہ تاریخ سازی کا ہے نہ کہ تاریخ نویسی کا لیکن اس رسالے میں ایرانی انقلاب کے واقعات تاریخ نویسی کا شوق پورا کرنے کی غرض سے قلمبند نہیں کیے گئے بلکہ انقلاب کے سفر میں تاریخ سازی کی جو راہیں کھلتی ہیں جو مشکل مقامات آتے ہیں انکا تجزیہ مقصود ہے ایرانی دنیا کی پہلی عالمی سلطنت بنانے والی قوم میں سائرس اور داریوش کی حکومتیں مصر سے پنجاب تک پھیلی ہوئی تھیں ڈھائی ہزار سال پہ محیط بادشاہی بلکہ شہنشاہیت کی تاریخ کے امین ہیں ایک کمزور لمحے پر یونانیوں سے ہار گئے لیکن سکندر کی وفات کے بعد پھر سنبھل گئے بادشاہتیں جاری رہیں لیکن ساتویں صدی میں عربوں نے روند ڈالا، عرب قبولِ اسلام کے بعد متحد و منظم ہو گئے تھے اس دفعہ ایرانی نہ صرف مفتوح ہوئے بلکہ اپنا قدیمی مذہب مجوسیت چھوڑ کر مسلمان بھی ہو گئے عربی خلافت کے کمزور ہونے پہ ترک خلافت لے اُڑے ایرانیوں کے لیے عربی فتوحات کے بماتھ اسلام کے قالب میں ڈھلے ہوئے تصورات جیسے میراثِ مقبوضہ کی بازیابی تھی ایرانی بالآخر صفوی حکمرانوں کے تحت پھر منظم ہوئے صفیوں نے سُنّی ترکوں اور عربوں کی بالادستی کا توڑ شیعیت کے قبول میں دیکھا اور ایران کا سرکاری مذہب شیعیت قرار دے دیا گیا اس کا پس منظر مذہب کے بارے میں ریاستی نکتہ نظر قدیم ایران کے بادشاہ اردشیر ساسانی سلطنت کے بانی بابک شہنشاہ کے بیٹے نے اپنے وارث ایرانی بادشاہوں کے لیے نصیحت کی جو یوں ہے:

"یہ جانو کہ بادشاہ اور مذہب جڑواں بھائی ہیں ان میں سے ایک کے پاس کوئی طاقت نہیں سوائے ساتھی کے ذریعے سے کیوں کہ مذہب بادشاہ کی بنیاد ہے اور بادشاہت مذہب کی محافظ بادشاہت کو اپنی بنیاد کی جبکہ مذہب کو اپنے محافظ کی ضرورت ہے جس کا کوئی محافظ نہ ہو وہ تباہ ہو جاتا ہے اور جس کی کوئی بنیاد نہ ہو وہ برباد ہو جاتے ہیں میں تمھارے لیے جس چیز سے بہت ڈرتا ہوں وہ ہے لوگوں کا حملہ مذہب کی تعلیمات پہ غور کرو اور اس کی تشریحات اور سمجھ پر توجہ دو تم بادشاہت کی شان و شوکت سے مغرور ہو جاؤ گے اور مذہب کے بارے اور اس کی تعلیمات کے بارے میں اس کی تشریحات اور اس کے فہم کے بارے میں تحقیری رویہ اختیار کرو گے تب مذہبی قائدین میں سے جو کم مایہ لوگوں اور رعایا میں چھپے ہوئے ہوں گے وہ جنہیں تم نے زک پہنچائیں ہوں گی، ڈرایا ہوگا، محکوم، ذلیل کیا ہوگا اٹھ کھڑے ہوں گے اور یہ جانو کہ مذہب میں چھپا ہوا ایک قائد اور ایک سرکاری قائد بادشاہت میں کبھی ایک ساتھ ایک بادشاہت میں نہیں رہ سکتے سوائے اس کے مذہبی قائد وہ سب کچھ جو بادشاہت میں قائد کے ہاتھ میں ہے وہ غصب نہ کر لے (یہ ایسے ہی ہے) کیونکہ مذہب بنیاد ہے اور بادشاہ ستون اور بنیاد کے آقا کے پاس ساری طاقت ہے بمقابلہ ستون کے آقا کی طاقت"۔

صفیوں نے اپنی سلطنت اسی بنیاد پر قائم کی انہوں نے اردشیر کی نصیحت کو پیشِ نظر رکھا اور عربوں، ترکوں کے غلبے سے بچنے کے لیے شیعیت کو ایران کا سرکاری مذہب قرار دے دیا، نادر شاہ نے کوشش کی مگر وہ ناکام رہا، قاچاریوں کے دور میں شیعیت ریاست کے ایک متوازی ادارے کے طور پر قائم ہوگئی، امام عصر عجل اللہ تعالٰی کے بعد اخباری

روایات رائج تھیں جس کے تحت آئمہ معصومین ع کے علاوہ کوئی انسان قانون معیار وضع نہیں کرسکتا تھا لیکن گیارہویں صدی میں قانونیات میں اجتہاد یعنی بنیادی عقائد و اعتقادات کے تحت علماء کے قانونی معیارات وضع کرنے کی اہلیت مان لی گئی اور مجتہدین کا ادارہ وجود میں آیا اس سے علماء کے اثر و رسوخ میں اضافہ ہوا جو آگے چل کر آیت اللہ، آیت اللہ معظم ، رہبر اور امام تک کے عہدوں کی شکل اختیار کر گیا ،عطیات اور خمس نے مالی خود مختاری کی بنیاد فراہم کردی ،1979ء کا انقلاب ایران میں انقلاب ہی نہیں تھا بلکہ یہ شیعیت میں بھی انقلاب تھا اس سے بیشتر مذہب اور سیاست کے دائرہ ہائے عمل الگ الگ ہوتے تھے لیکن خمینی کے ولایت فقیہ، نظریئے کے تحت سیاست اور مذہب میں تفریق ختم ہوگئی حکومت کسی بادشاہ کا حق نہیں فقیہ کا حق مانا گیا اور اس کو آئینی تحفظ فراہم کیا گیا اور اسکا حکم نہ صرف دنیاوی ، ریاستی حکم ہوگا بلکہ دینی فریضہ ہوگا جسے لازمی بجالانا ہوگا اور اس کے دروغ اور قبولِ عام کو یقینی بنانے کے لیے پوری دنیا میں ترویج کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ آج ایران میں سیاست مذہبی فریضہ ہے اور مذہبی فریضہ سیاست اور حکومت جمہور کا حق ہونے کے بجائے فقہاء کا خدائی حق ہے۔ گذشتہ ۴۳ سالوں ہمارے کسی مؤرخ کسی مبصر کسی دانشور کسی مذہبی قائدین نے ہم کو ایران کی موجودہ انقلاب کی جڑیں جس عقائد و نظریات کی بنیاد پر قائم کی گئیں ان کے صحیح تاریخ سے باخبر نہیں کیا گیا بلکہ ولایتِ فقیہ کے نظریات کی مدح ثنائی پہ اکتفا کیا گیا اور ہم مذہب تشیع میں کی گئی تاریخی بددیانتی پر چشم پوشی کرتے رہے دراصل ملوکیت پسندی ہمارے رگ و پے میں کچھ اس طرح سرایت کرگئیں کہ ہم معاشرتی زندگی شخصیتوں کے حوالے سے دیکھنے کے اس قدر دلدادہ ہوگئے کہ ہم فرد کو ہی جماعت تصور کرنے لگے ہیں اور فرد بھی وہ جماعت سے بلند و بالا ہو پہلے شاہ ہمارے ہیرو تھے اور اب وہی مقام خمینی و خامنائی کو دے دیا گیا ہے۔ مرکز ولایت علیؑ پاکستان سندھ کا بنیادی مقصد ان وقت کے طاغوتوں

کے خلاف سینہ سپر ہو کر اپنی جان و مال و اولاد کی زندگیاں ہتھیلیوں پر رکھ کر ملت اثناء عشری تشیعوں کو ان کی حقیقت سے آشنا کرانا ہے۔

ہم سربسجود ہیں کہ اپنے آقا و مولا ولی الامر امام زمانہ علیہ الصلواۃ والسلام کی بارگاہ اقدس میں جن کے خصوصی پاک کرم کی بدولت سے ولایت مولا امام علی علیہ الصلواۃ والسلام عزاداری مظلوم کربلا امام حسین علیہ الصلواۃ والسلام، حرمت سادات، اور باطل طاغوتی نظام اجتہاد، ولایت فقیہ اپنی پستی کی طرف رواں دواں ہے، ان شاء اللہ!

وہ وقت بہت قریب ہے جب وارث دستار مصطفیٰ و مرتضیٰ علیہما الصلواۃ والسلام منتقم آل محمد علیہم السلام کے دشمنوں کو واصل جہنم فرمائیں گے اور مذہب محمد و آل محمد علیہم الصلواۃ والسلام کے حقیقی چہرے کو دنیا کے سامنے اجاگر فرمائیں گے، آمین!

شعبہ نشر و اشاعت

مرکز ولایت علی پاکستان (سندھ)

تجدید عہدِ غدیر بحضور سرکار امامِ زمانہؑ

میں شیعہ اثناعشری ہوں اور ذیل میں دیئے گئے اپنے عقائد پر مطلق ایمان سے قائم ہوں اور مولا امام زمانہ صلواۃ اللہ علیہ سے مستدعی ہوں کہ مجھے اپنی نصرت سے عقائدِ حقہ پر قائم رکھے۔

- اللہ تعالیٰ کی خالص توحید اور وحدانیت پر ایمان مطلق رکھنا۔
- رسالت پناہ سرکار محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ولایت و رسالت و ختم نبوت پر مطلق ایمان رکھنا۔
- سرکار امیر المومنین علی ابن ابی طالب صلوات اللہ علیہ کی ولایت مطلقہ اور بارہ آئمہ طاہرین معصومین صلواۃ اللہ علیہم اجمعین کی امامت و ولایت پر مطلق ایمان رکھنا۔
- منصوص من اللہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی نبوت و عصمت پر ایمان رکھنا۔
- مقامِ غدیر خم پر دین کے اکمل ہونے پر راسخ ایمان اور اس پیغام کو آئندہ نسل تک منتقل کرنا واجباتِ تشیع میں سے ماننا۔
- غیبت امام مہدی آخر الزمان صلواۃ اللہ علیہ پر مطلق ایمان اور اس بادشاہ کے انتظار کو لازم ماننا۔
- ہر وہ ہستی جو کلنا محمد کے تحت 'محمدؐ' ہے کے مظہر صفاتِ الٰہیہ اور اللہ تعالیٰ کی حجت ہونے پر مطلق ایمان رکھنا۔

- عزاداری سیّد الشہداء مظلومِ امام حسین علیہ السلام کو واجب واوجب عبادت ماننا۔
- کسی بھی غیر معصوم کو امام کا نائب نہ ماننا اور اولی الامر صرف منصوص من اللہ امام کو ہی ماننا۔
- اجتہاد دین آلِ محمدؐ میں حرام ہے۔
- کسی بھی غیر معصوم کی تقلید صریحاً حرام سمجھنا۔
- خمس بلاشرکت غیرے خالصتاً سادات کا حق ماننا۔
- سورۃ النساء کی آیات ۱۲۷ اور ۱۷۶ کے مطابق فتویٰ دینے کا اختیار اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور اللہ تعالیٰ کے حلال وحرام کو تبدیل نہیں کیا جاسکتا، پر ایمان رکھنا۔
- اثناعشری شیعیت میں بارہ ائمہ طاہرین صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین کی امامت کے علاوہ باقی ہر امامت کا تصور باطل ماننا۔
- اور ہم پاکستان میں رہنے والے شیعہ اثناعشری ولایت مولاعلی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے وابستہ ہیں اور ولایت علیؑ جیسی نعمت عظمیٰ کے ہوتے ہوئے کسی غیر ملکی نظام ولایت فقیہہ سے وابستہ نہ ہوں۔
- شعائرِ حسینی ذوالجناح، تعزیہ وتابوت، علَم مبارک، جھولا، مہندی وسہرا، ماتم وسینہ زنی وقمہ زنی، مجالس ومحافل، نذر و نیاز و حاضری اور غمِ حسینؑ میں گریہ کناں ہونے کو عبادت ماننا اور ہر شے جو شعائرِ حسینی سے نسبت رکھے اس کا احترام وواجب ولازم ماننا۔
- سادات کا احترام واجب ماننا اور سیّدزادی کا ہم کفو کوئی غیر سیّد نہیں ہوسکتا، پر مطلق ایمان رکھنا۔ لہٰذا اس فعل حرام کے کرنے والے سے اظہارِ برأت لازم ماننا۔

اخوانی شیعیت: 1979ء کے ایرانی انقلاب کی فکری اور سماجی بنیاد

جدید دور میں "دہشتگرد تنظیم" کی اصطلاح ایسے منظم گروہوں کو بیان کرنے کے لیے وضع ہوئی ہے جو سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے دلیل اور تبلیغ کے بجائے قتل اور دہشت کا استعمال کریں۔ یہ پُرامن طریقوں سے عوام کے سبھی طبقات کو ساتھ ملانے کے بجائے خوفزدہ کر کے محکوم بنانا چاہتے ہیں۔ یہ سوچ سب سے پہلے اٹلی اور جرمنی میں فاشزم کے نام سے نمودار ہوئی۔ اسی کی نقل پر ہندوستان میں ساورکر اور گوالکر نے ہندوتوا اور ہندو راشٹر کا نظریہ پیش کیا۔ مسلمانوں میں مصری تنظیم اخوان المسلمون نے اس سوچ پر اسلام کا لبادہ چڑھانا چاہا تو اس سے القاعدہ، داعش اور حزب التحریر وغیرہ جیسی تنظیمیں نکلیں۔ یہی لوگ جدید دور میں سیاسی اہداف والے فتنۂ تکفیر کے بانی بھی ہیں، جس میں ابنِ تیمیہ کی سوچ کا عکس ہے۔ مولانا مودودی اور سید قطب نے ربوبیت کی غلط تشریح کر کے اکثر مسلمانوں کو جاہلیت کا شکار قرار دیا اور از سرِ نو مسلمان بننے کی شرط اپنے فاشزم کی پیروی کو قرار دیا۔ یہ مذہب کو ریاست کی شکل میں دیکھتے ہیں۔ ایران میں ولایتِ فقیہ کے نام پر جو حکومت بنی ہے اس کا اصولی شیعیت میں موجود ولایتِ فقیہ کے پرانے تصور سے کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ اخوان المسلمون اور جماعتِ اسلامی کے ادیبوں کے خیالات کا عکس ہے۔ ان ادیبوں میں سید قطب اور مولانا مودودی کا اثر سب سے زیادہ رہا ہے۔ انہوں نے دوسری جنگِ عظیم سے پہلے اٹلی اور جرمنی میں چلنے والی نسلی فاشزم کی تحریکوں سے متاثر ہو کر ایک مذہبی فاشزم کا نظریہ بنایا جس کی نقل کو ایران میں ولایتِ فقیہ مطلقہ کے عنوان سے پھیلایا گیا۔ اثنا عشری شیعہ مسلک میں اخباری اور اصولی مکاتبِ فکر کے بعد یہ ایک تیسرا مکتبِ فکر ظاہر ہوا ہے جسے اخوانی شیعیت کہا جاتا ہے۔ اس مقالے میں اخوانی شیعیت کے آغاز اور ارتقاء پر بحث کی جائے گی۔

ولایتِ فقیہ کی اصطلاح کے پرانے معنی

شیعہ عقیدے کے مطابق اسلامی حکومت صرف امامِ معصومؑ قائم کر سکتا ہے، غیبتِ امام میں کوئی حکومت اسلامی نہیں ہوسکتی البتہ جمہوری طریقے سے عدل و انصاف کی صورت حال کو بہتر بنانے کی کوشش کرتے رہنا چاہیئے، جس کی بنیاد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے قرآنی حکم پر ہے۔ امامِ معصومؑ کی اطاعت میں زبردستی کا عنصر نہیں ہوتا اور انسان قوتِ ایمانی کے بل بوتے پر اس کی اطاعت کرتے ہیں۔ امامت کا مطلب کوئی نظامِ حکومت نہیں کیوں کہ نظام اصل میں ملت کے منظم ہونے کا نام ہے اور ملت کے حالات ہر دور میں بدلتے رہتے ہیں، مثلاً ایک صنعتی معاشرے اور ایک زرعی معاشرے میں ایک جیسا نظام نہیں ہوسکتا لیکن امام ایک ہی رہے گا۔ شیعہ مسلمان امامت کو اصولِ دین کا حصہ یوں سمجھتے ہیں کہ اس کے بغیر فرد ذاتی طور پر تو مسلمان ہی رہتا ہے لیکن اجتماعی نظام اسلامی نہیں بن سکتا۔ اس کی بنیاد وہ آیات اور احادیث سمجھی جاتی ہیں جن میں ولی، مولا، امام یا امیر کے الفاظ آئے ہیں۔ عربی میں حَکَم سے مراد قاضی ہوتا ہے۔ صدرِ اسلام میں حکمران کے لیے ولی یا مولا یا امیر کے الفاظ مستعمل تھے اور ججوں کو حَکَم یا قاضی کہا جاتا تھا۔ چنانچہ شیعہ عقیدے کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی زندگی میں اور رحلت سے قبل بڑے واضح انداز میں کئی مرتبہ حضرت علیؑ کو ولی، مولا اور امیر مقرر کیا۔ لیکن امام مہدیؑ نے کسی کو مولا یا ولی یا حکمران مقرر نہیں فرمایا۔ حتیٰ ان چار نائبینؒ، جن کی نیابت نص سے قائم ہوئی، کو بھی حقِ حکومت حاصل نہ تھا۔ قرآن میں بھی مولوی صاحبان کو ارباب بنانے سے منع کیا گیا ہے (سورۃ توبہ، آیۃ 31)۔ علمائے حقہ کو انبیاء کا وارث کہا گیا ہے لیکن آئمہ کا وارث نہیں کہا گیا، چنانچہ ان کا کام صرف تبلیغِ حق ہے۔ اہل تشیع کے ہاں غیبتِ امام میں اسلامی نظام کا قیام ممکن نہیں۔ آخری زمانے میں امام مہدیؑ کے ظہور کی نوید سنانے کی حکمت ہی یہ ہے کہ ان کے سوا کوئی اسلامی نظام نہیں بنا سکتا۔ شیعہ فقہا کے

ہاں ولایتِ فقیہ کافی پرانی اصطلاح ہے، مگر اس کا قرآن و حدیث میں کوئی وجود نہیں اسی لئے اس کا عقائد سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ولایتِ فقیہ کی اصطلاح اصولی شیعیت میں ان امور کے لیے بنائی گئی جو کمیونٹی ویلفیئر سے تعلق رکھتے تھے۔ اس کا مقصد ایک نیک کردار کے حامل فقیہ کو عصرِ غیبت میں مالِ امام کو خرچ کرنے پر اختیار دینا تھا۔ نیز قضاوت، یتیموں یا ذہنی معذوری کے شکار افراد کی جائیداد امانت کے طور پر سنبھالنا، اوقاف کے امور، وغیرہ فقہاء کی سرپرستی میں شامل سمجھے گئے۔ عوامی خدمت کے کاموں کو فقہ میں امورِ حسبیہ بھی کہا جاتا ہے (1)۔ اس ولایت سے مراد حکومت نہ تھی، کیونکہ فقیہ کی حکومت قرآن و حدیث کی شیعہ تعبیر سے متصادم ہوتی۔

ایشیاء کے پہلے جمہوری انقلاب سے پہلوی آمریت تک

امریکہ میں جمہوری انقلاب 1775ء اور فرانس میں 1789ء میں آیا تھا۔ ایشیاء کا پہلا جمہوری انقلاب 1907ء میں ایران میں آیا اور اس کے بانی معروف مرجع آخوند خراسانی تھے۔ انہوں نے اصولِ فقہ کی بنیادی کتاب "کفایۃ الاصول" بھی لکھی ہے۔ ان کے مطابق چونکہ غیبت میں اسلامی حکومت ممکن نہیں، لہٰذا غیر اسلامی نظاموں میں سے سیکولر جمہوریت بہتر ہے کہ جس میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی بنیاد پر ظلم کو کم کیا جا سکے۔ انہوں نے کہا:

> "شرعی طور پر حکومت کرنے، عوام کے امور کو چلانے، مسلم معاشرے کے مسائل کے حل کرنے اور اہم فیصلے کرنے کا حق صرف اور صرف معصومؑ کا ہے کہ جو اللہ کی طرف سے منصوب و منصوص و مامور و تائید یافتہ ہو، جیسا کہ انبیاء و اولیاء کے زمانے میں تھا یا امیر المومنینؑ کی خلافت کے وقت تھا اور جیسا حضرت حجتؑ کے ظہور و رجعت کے زمانے میں ہوگا۔ اگر ولایتِ مطلقہ معصوم کے پاس نہ ہو تو یہ غیر شرعی

بادشاہت ہوگی۔ چونکہ یہ غیبت کا زمانہ ہے تو یہاں دو قسم کی غیر شرعی حکومتیں ہوسکتی ہیں: پہلی انصاف پر مبنی جمہوریت کہ جس میں عوام کے معاملات متعدد دین دار عقلمندوں کے ہاتھ میں ہوں، اور دوسری ظلم و جبر کی حکومت جس میں ایک خودسر شخص ولی مطلق بن بیٹھے۔ پس عقل اور شرعی نصوص کے اعتبار سے غیر شرعی حکومتوں میں جو عادلانہ ہو اسے ظالمانہ حکومت پر برتری حاصل ہوگی۔ انسانی تجربے اور دقیق اور تسلی بخش غور وفکر سے واضح ہو چکا ہے کہ جمہوریت استبداد کے ظلم میں کمی لاتی ہے اور کمتر برائی کو زیادہ برائی پر فوقیت دینا واجب ہے۔ ایک مسلمان کیسے جابر سلطان کی حکومت کو شرعی کہنے کی جرات کرسکتا ہے جبکہ سلطنت کو غصب شدہ سمجھنا مذہبِ جعفری کی ضروریات میں سے ہے؟" (2)

یہ آئیڈیل نظام نہ ہوگا اور علمائے دین کو سیاسی عہدوں سے دور رکھا جائے گا 3))۔

آخوند خراسانی نے قومی ریاست کے تصور کو "وحدتِ دولت وملت" کے عنوان سے بیان کیا کہ جس کا مطلب ریاست اور قوم کا ایک ہونا ہے، یعنی ایسا نہیں کہ ریاست حاکم ہو اور قوم محکوم، بلکہ قوم کا منظم ہوکر امورِ زندگی کو انجام دینا ہی ریاست ہے۔ اس زمانے میں ایران کی محض اکیس فیصد آبادی شہروں میں رہتی تھی۔ جمہوریت کے بانیوں نے ایران میں جدید سکولوں، تعلیمِ نسواں، ہسپتالوں، کارخانوں اور جدید انتظامی ڈھانچے کی بنیاد رکھی۔ روس اور برطانیہ نے 1911ء میں حملہ کر کے اس جمہوریت کو جلد ہی ختم کر دیا۔ 1908ء میں تیل دریافت ہو چکا تھا اور 1913ء میں ایران کے شہر آبادان میں پرشین آئل کمپنی نامی ایک برطانوی کمپنی نے تیل نکال کر بیچنا شروع کر دیا۔ 1914ء میں جنگِ عظیم اول چھڑ گئی۔ ایران پر روس اور برطانیہ کا قبضہ تھا۔ 1919ء میں فلو کی وباء کے ساتھ ایران

میں غذائی بحران آیا اور ایک تہائی آبادی مر گئی۔ 1921ء میں ایران کے آرمی چیف نے دوبارہ بادشاہت قائم کر دی اور برطانیہ اور روس کا اثر و رسوخ کم کرنے کے لیے امریکہ اور جرمنی سے تعلقات بنائے۔ ان کا نام رضا خان پہلوی تھا، انہوں نے جمہوریت کو ختم کیا مگر باقی شعبوں میں جمہوری انقلاب کی شروع کردہ اصلاحات کو جاری رکھا۔ طوائف الملوکی کو ختم کر کے امن و امان قائم کیا، ملک بھر میں تعلیمی نظام قائم کیا، ہسپتال بنائے، ریل اور سڑکوں کا جال بچھایا، شناختی کارڈ اور پاسپورٹ رائج کیے، محکمۂ انصاف، پولیس اور محکمۂ مال میں جدت پیدا کی، سائنس، قانون اور تاریخ کی تعلیم کے لیے یونیورسٹی قائم کی، بری فوج میں جدت پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ فضائیہ اور بحریہ کی بنیاد رکھی، بنکوں کا نظام بنایا، انجن سازی کا کارخانہ لگایا جس سے ایران اپنی ضرورت کی گاڑیاں خود بنانے لگا، اچھے نمبر لینے والے طالب علموں کو پڑھائی کے لیے باہر بھیجنا شروع کیا۔ البتہ ساتھ ساتھ اپنی دولت میں بھی اضافہ کیا، لوگوں کو سیاسی مکالمے کی آزادی نہ دی اور خواتین کے چادر پہننے پر پابندی لگائی جس کی وجہ سے کئی خواتین نے گھروں سے نکلنا چھوڑ دیا۔ آزادی چھین لی جائے تو لوگوں میں احساسِ ذمہ داری پیدا نہیں ہوتا۔ زبانوں پر تالے لگائے جائیں تو لوگ چپ نہیں ہوتے بلکہ بند دروازوں کے پیچھے بولتے ہیں اور اہلِ علم سے دور ہونے کی وجہ سے فکری قید خانوں میں جہالت پرورش پاتی ہے۔

دوسری طرف 1923ء میں مصر کے سلفی عالم محمد رشید رضا نے "الخلافۃ أو ال إمامۃ العظمٰی" کے عنوان سے ایک کتاب لکھی جس میں خلافت کا تصور ایک منظم ریاست کے طور پر بیان کیا گیا تھا۔ اس پر ان دنوں اٹلی میں جاری فاشزم کی لہر کی گہری چھاپ تھی۔ اس بدعتی سوچ کی بنیاد پر 1929ء میں مصر میں ایک تنظیم، اخوان المسلمون، کی داغ بیل ڈالی گئی جس کی نشریات عراق میں بھی آتی تھیں۔ 1920ء کی دہائی میں ہی برصغیر میں تحریکِ خلافت کی ناکامی کے بعد دارالعلوم دیوبند سے نکلنے والے اس کے مجلے "الجمعیۃ" کے مدیر

سید ابوالاعلی مودودی نے اٹلی و جرمنی کے نسلی فاشزم کی طرز پر ہی مذہبی فاشزم کے تصورات گھڑنا شروع کیے۔ البتہ جید سنی علماء، جیسے شیخ ناصر الدین البانی، نے ان کی انحرافی سوچ کو مسترد کیا۔ 1941ء میں جنگِ عظیم دوم کے دوران روس اور برطانیہ نے دوبارہ ایران پر قبضہ کیا۔ جرمنی کے لیے نرم گوشہ رکھنے والے رضا خان پہلوی کو ہٹا کر ان کا پندرہ سالہ بیٹا محمد رضا پہلوی بادشاہ بنا دیا گیا۔ ایران میں جمہوریت دوبارہ آئی اور محمد رضا پہلوی کا کردار ملکۂ برطانیہ کی طرح علامتی ہو گیا۔

اخوانی شیعیت کا ظہور اور مرجعیت سے بغاوت

سید مجتبیٰ میر لوحی (عرف نواب صفوی) نامی ایک اٹھارہ سالہ طالب علم 1942ء میں میٹرک پاس کرنے کے بعد دینی تعلیم حاصل کرنے نجف کے حوزے میں گئے مگر دو سال بعد، 1944ء میں، اخوان المسلمون کے پروپیگنڈے کی زد میں آ کر دینی تعلیم ترک کر دی۔ 1945ء میں نواب صفوی نے ایران میں اخوان المسلمون کی طرز پر خلافت لانے کے لیے فدائیان اسلام نامی تنظیم بنائی جس نے پہلا قتل ایک سرکاری جج احمد کسروی (متوفی 1946ء)، دوسرا وفاقی وزیر عبدالحسین حاضر (متوفی 1949ء) اور تیسرا وزیر اعظم علی رزم آراء (متوفی 1951ء) کا کیا۔ 1951ء میں نواب صفوی نے "برنامۂ انقلابِ فدائیان اسلام" کے نام سے ایک کتابچہ لکھ کر اسلام اور فاشزم کا اخوانی ملغوبہ ایران میں متعارف کرایا۔ اس میں انہوں نے سود سے پاک معاشی نظام، غریبوں کے لیے لنگر اور کپڑوں کے انتظام، ہر سُو نیکی کے چرچے، کنواروں کی جلد شادیوں، فلموں اور گانوں پر پابندی، ذاکرین اور موذنوں کی تربیت، مغربی لباس (پینٹ شرٹ) پہننے پر پابندی، مخلوط تعلیم کے خاتمے، چوری چکاری اور شراب اور جوئے میں ملوث افراد کے ساتھ سختی سے نبٹنے اور زنا کاروں کو سرِ عام کوڑے مارنے، ہر دفتر میں پرچمِ ایران کے ساتھ ایک پرچمِ

اسلام رکھنے کا اعلان کیا۔ لیکن ان کا کتابچہ قومی آئین، بجٹ بنانے، قومی خزانے کو چلانے، کاروباری قوانین، جدید علوم کے لیے درکار تعلیمی نظام، مواصلات، دفاع اور صحت عامہ کے بارے میں کسی قسم کی سمجھ بوجھ سے بالکل عاری تھا۔ اس سے ان کی جہالت اور قومی ریاست کے حقیقی سوالات سے نابلد ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ ایک میٹرک پاس مولوی سے اور توقع بھی کیا کی جا سکتی ہے؟4)) اس وقت ایرانی سیاست میں جمہوریت نواز، کہ جن کی قیادت احمد قوام کر رہے تھے، اور کمیونزم کی حامی حزبِ تودہ ایک دوسرے کے حریف سمجھے جاتے تھے۔ ان کے علاوہ بھی کئی سیاسی گروہ موجود تھے، جن میں مذہبی جذبات کی سیاست کرنے والے آقائے کاشانی اور ڈاکٹر مصدق کی حزبِ ایران قابلِ ذکر ہیں۔ 1951ء میں ایرانی وزیراعظم ڈاکٹر مصدق نے تیل کی صنعت کو برطانوی کمپنی کی تحویل سے نکال کر حکومتی تحویل میں لینے کی کامیاب تحریک چلائی تو نواب صفوی نے خواتین کو ریاستی طاقت کی مدد سے حجاب کا پابند بنانے اور شراب کی خرید وفروخت روکنے کی تحریک چلا دی۔ آقائے کاشانی، جو اب تک نواب صفوی کی حمایت کرتے آ رہے تھے، نے فدائیانِ اسلام کو برطانوی مہرہ قرار دیا۔

1953ء میں امریکہ نے ڈاکٹر مصدق کے خلاف مارشل لا لگوا کر اختیارات شاہ کو دلوا دیے تو فدائیانِ اسلام نے جشن منایا اور شاہ سے کہا کہ وہ موسیقی پر پابندی لگائیں اور خواتین کو برقعے کا پابند بنائیں (5)۔ شاہ نے ملک میں جمہوریت کی بات کرنے پر پابندی لگائی۔ شاہِ ایران کمیونزم اور جمہوریت، دونوں کو اپنا حریف سمجھتے تھے۔ انہوں نے سوچا کہ اخوانی شدت پسندی کے اس تیر سے یہ دو حریف شکار کرنا آسان ہوگا۔ جیسے شروع میں سید قطب کو جمال عبدالناصر نے اپنے مقاصد کے لیے استعمال کیا تھا، اسی طرح نواب صفوی کو محمد رضا شاہ نے جمہوریت اور مرجعیت کے خلاف استعمال کیا۔

فدائیان اسلام والے اپنے سے زیادہ پڑھے لکھے علماء کو دین فروش، بے وفا، دردِ دین کے بجائے درسِ دین میں ڈوبے رہنے والے، اور مراجع کو اپنی مرجعیت کی محبت میں اندھا اور دین کی محنت نہ کرنے والا قرار دیتے تھے (6)۔ اگر غور کیا جائے تو مودودی صاحب کی جماعتِ اسلامی اور سید قطب کی اخوان المسلمون اور القاعدہ جیسی تنظیموں کا روایتی سنی علماء کے بارے میں یہی رویہ ہے۔ جب آقائے سید حسین بروجردی نے نواب صفوی سے کہا کہ "ڈاکے ڈال کر اور دہشت پھیلا کر آپ لوگ اسلام کی کونسی خدمت کر رہے ہیں؟" تو نواب صفوی نے جواب دیا کہ "ہم لوگوں کا مال قرض کی نیت سے لوٹتے ہیں، اور ہمارا مقصد نظامِ علیؑ کا قیام ہے۔ ہمارا ہدف (اسلام کے) احکام سے بلند تر ہے۔ جب اسلامی حکومت بن جائے گی تو لوگوں سے لوٹا ہوا مال واپس کر دیں گے"۔ آقائے بروجردی نے اس تنظیم سے تعلق رکھنے والے طلاب کو حوزۂ قم سے نکالنے کا فیصلہ کیا تو ان کے حامی تصوف کے استاد سید روح اللہ خمینی نے کہا کہ "ان جوانوں نے کوئی ہتھیار یا اسلحہ اٹھائے بغیر، صرف اپنی تقریروں کی مدد سے، مقامِ مرجعیت کو خوفزدہ کر کے رکھ دیا ہے" (7)۔ اخوانی شیعیت میں مرجعیت کے خلاف بغاوت کا عنصر شروع سے ہے، خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑ رہا تھا۔ تصوف ہمیشہ اجتہاد کی ضد رہا ہے۔ اجتہاد میں رائے دینے سے پہلے منطقی اصولوں کی پابندی کرتے ہوئے معاملے کے تمام پہلوؤں پر تحقیق کرنا لازم ہوتا ہے اور مختلف اہل علم کی کتابوں کی مدد سے موضوع پر کافی آشنائی حاصل کرنے کے بعد ہی رائے قائم کی جاتی ہے اور اگر تحقیق کے تقاضے پورے نہ ہوں تو رائے دینے سے گریز کیا جاتا ہے۔ دوسری طرف تصوف میں ذہن میں پیدا ہونے والے خیالات کو علمِ حضوری سمجھ کر ڈٹ جانا ہوتا ہے، جو ایک غیر معصوم کے لیے کبھی بھی غلطیوں سے مبرا نہیں ہو سکتے۔

نواب صفوی کا آقائے بروجردی سے ایک اختلاف یہ بھی تھا کہ آقائے بروجردی شیعہ وسنی میں تقریبِ مذاہب، برداشت اور مکالمے کے قائل تھے جبکہ نواب صفوی اخوانی طرز کی وحدتِ امت کے قائل تھے۔ مولانا مودودی کی طرح نواب صفوی کے ہاں بھی اتحادِ امت کا جو معنی ہے وہ بدعت ہے، یعنی ایک ایسی فاشسٹ پارٹی بنانا مقصود ہے جو بغیر تفریقِ مسلک، سب مسلمانوں پر اپنی مرضی کی حکومت کرے گی (8)۔ جدید دنیا میں اختلاف کو ختم نہیں کیا جاتا بلکہ مکالمہ اور برداشت کرنا سکھایا جاتا ہے اور رائے کے اظہار کی آزادی کو ہر شہری کا حق سمجھا جاتا ہے۔ ہٹلر بھی اختلافات پسند نہیں کرتا تھا، لیکن اس سوچ کا نتیجہ جبر اور ظلم کی شکل میں سامنے آیا۔

1954ء میں اخوان المسلمون نے مصر کے صدر جمال عبد الناصر کو قتل کرنا چاہا تو 1955ء میں فدائیان اسلام نے ایران کے وزیر حسین علاء کو قتل کرنے کی ناکام کوشش کی۔ نواب صفوی کو اپنے تین ساتھیوں سمیت 31 سال کی عمر میں سزائے موت دے دی گئی، اب شاید کسی کو ان کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ مصر میں سید قطب جیل میں ڈالے گئے اور ان کو 1966ء میں سزائے موت ہوئی۔ شیعہ مراجع جمہوریت اور اصلاحات کے حامی تھے۔ ان میں آخوند خراسانی کے شاگرد آقائے سید حسین بروجردی اور آقائے سید محسن الحکیم تھے۔ ان کے بعد آقائے سید ابوالقاسم خوئی، آقائے سید محمد کاظم شریعتمداری، آقائے سید محمد ہادی میلانی، آقائے سید محمد رضا گلپائگانی اور آقائے مرعشی نجفی کا دور آیا۔ یہ سب جمہوریت پسند تھے۔

تصوف کا شہسوار سیاست کے اکھاڑے میں

یہ وہ ماحول تھا جس میں ایک صوفی مسلک مولانا سید روح اللہ خمینی کی سیاسی سوچ کے خدوخال تشکیل پائے۔ وہ 1950ء تک ابن عربی اور ملا صدرا کے تصوف میں مگن رہے

تھے، ان کی اکثر کتابیں اسی موضوع پر ہیں۔ اہل تشیع کے ہاں تصوف کو گمراہی سمجھا جاتا ہے اور آئمہؑ کے بہت سے اقوال میں اس کی مذمت کی گئی ہے۔ جدید سائنس بھی تصوف کو غلط ثابت کر چکی ہے۔ نواب صفوی کی سزائے موت کے بعد سید روح اللہ خمینی نے اخوانی شیعیت کا بیڑہ اٹھایا۔ انہوں نے 1963ء میں حکومت کے خلاف ایک تقریر کی جس کے بعد قم میں ہنگامے ہوئے۔ پولیس نے ان کو گرفتار کیا تو انکی جان بچانے کے لیے آقائے شریعتمداری نے آقائے ہادی میلانی کی مخالفت کے باوجود خمینی صاحب کو مرجع قرار دے دیا تاکہ وہ سزائے موت سے بچ سکیں۔ یہ تاریخِ مرجعیت میں نظریہ ضرورت کا پہلا استعمال تھا۔ پہلوی دور میں آئین میں یہ شق شامل تھی کہ مراجع کو کوئی سزا نہیں دی جاسکتی۔ خمینی صاحب کو ترکی اور پھر وہاں سے نجف بھیج دیا گیا۔ اخوانی رسائل میں 1963ء کے ہنگاموں کے دوران سیکڑوں طلاب کے قتل کئے جانے کا پروپیگنڈا کیا گیا جبکہ آج تک ان طلاب کے نام، شناختی کارڈ نمبر، قبریں، اور ان کے والدین یا خاندان کی معلومات سامنے نہیں آسکیں۔ لاہور میں جماعتِ اسلامی کے رسالے ترجمان القرآن میں بھی اکتوبر 1963ء کے ایڈیشن میں "ایران میں دین اور لادینی کی کشمکش" کے عنوان سے ایک تکفیری مضمون چھپا جس پر ایرانی سفیر نے احتجاج کیا۔ حقیقت یہ تھی کہ پولیس کے لاٹھی چارج سے صرف تین لوگ زخمی ہوئے تھے۔ 1965ء میں وزیر اعظم حسن علی منصور قتل ہوئے۔ نجف میں خمینی صاحب نے آقائے محسن الحکیم کے سامنے اپنا منصوبہ رکھا تو انہوں نے کہا کہ آپ لوگ اسلام نافذ نہیں کر سکیں گے لیکن آپ کی وجہ سے لاکھوں لوگ قتل ہوں گے۔ اس خون کا حساب کون دے گا؟ خمینی صاحب نے مایوس ہو کر فقہ پر کام شروع کیا اور آقائے ابوالحسن اصفہانی کی کتاب "وسیلۃ النجاۃ" پر تبصرہ مکمل کیا، جسے "تحریر الوسیلۃ" کے عنوان سے چھاپا گیا۔ انکا مقصد مرجعیت میں قدم جما کر اس منصب کا سیاسی استعمال کرنا تھا۔ البتہ اس زمانے میں نجف میں آقائے خوئی کا طوطی بولتا تھا،

جنہوں نے تفسیر، حدیث، کلام، اصول فقہ اور فقہ میں بہت اعلیٰ کام کیا تھا، لہٰذا خمینی صاحب طلاب کو جذب کرنے میں زیادہ کامیاب نہ ہوئے۔

سرد جنگ میں مولانا مودودی اور سید قطب کا استعمال

روس اور امریکہ میں سرد جنگ چھڑ چکی تھی۔ امریکہ نے کمیونزم کے خلاف سعودی عرب سے کہہ کر سلفی سیاست اور فاشزم کے سانچے پر تیار کئے گئے نام نہاد اسلامی نظام کی سوچ پھیلائی۔ سعودی عرب میں حج کا پلیٹ فارم استعمال کر کے شیخ رشید رضا، مولانا مودودی اور اخوانی ادیب سید قطب کا مخصوص سیاسی نظریہ پھیلایا گیا۔ یہ کتب ایران و عراق بھی گئیں اور وہاں شیعہ طلاب میں کچھ ان صاحبان کے پیروکار بن گئے۔ جدید جمہوری ریاست کے حق میں آخوند محمد کاظم خراسانی، آقائے اسماعیل محلاتی اور آقائے محمد حسین نائینی جیسے جید علماء کی کتب تو دکانوں اور نصاب سے غائب تھیں، لہٰذا اس سوچ کو قدم جمانے کی جگہ ملی۔ اب اخوانی کتب فارسی میں ترجمہ ہونے لگیں۔ ایک تخمینے کے مطابق 1960ء کے عشرے میں سید قطب کی انیس اور انکے بھائی محمد قطب کی سترہ کتابیں فارسی میں ترجمہ ہوئیں (8)۔ یہاں اس بات کا ذکر بھی اہم ہے کہ القاعدہ کے رہنما اسامہ بن لادن جوانی کے ایام میں سعودی عرب میں محمد قطب کے شاگرد رہے ہیں، جو اپنے بھائی کی پھانسی کے بعد مصر سے سعودی عرب بھاگ آئے تھے۔ مولانا مودودی سید احمد بریلوی سے بہت متاثر تھے جنہوں نے 1827ء میں پشاور میں ملا راج قائم کیا تھا (9)۔
سرد جنگ کے دوران ہی ایران میں مولانا مودودی کی کتب کے تراجم اور علی شریعتی کی غیر علمی کتب بھی پھیل رہی تھیں۔ ساواک کی دستاویزات کے مطابق شریعتی کو شاہ کی حمایت حاصل تھی۔ یہ سب کتابیں تاریخی حقائق اور اعداد و شمار سے ناواقفیت کا مظہر ہیں، البتہ جذباتی پن اور چرب زبانی کی وجہ سے نیم خواندہ افراد کے لیے مشکل سوالات کا

آسان مگر غلط جواب فراہم کر کے تسکین کا باعث بنتی رہیں۔ یہ وہ دور تھا جب ایران میں زرعی اصلاحات کی وجہ سے لوگوں کی بڑی تعداد غربت سے نکل کر متوسط طبقے میں شامل ہوئی اور شہروں کی طرف رخ کیا۔ انہیں برادری سے دور ہونے اور شہری زندگی اپنانے کے دوران دوستوں کی ضرورت تھی جو شدت پسند تنظیموں کی شکل میں ملے، اور سوالات کے فوری جوابات کی ضرورت تھی جو ان سطحی کتب سے ملے (10)۔

سید علی خامنہ ای پر سید قطب کے اثرات

فارسی کے اخوانی مترجمین میں ایک نام سید علی خامنہ ای نامی نوجوان مولانا کا بھی تھا۔ مشہد سے تعلق رکھنے والے اس طالب علم نے جوانی میں قدم رکھا تو ان کو نواب صفوی کی تقریروں نے بہت متاثر کیا۔ اس نے اپنا حوزے کا درس چھوڑ کر سید قطب کی تفسیر "فی ظلال القرآن" کی تین جلدیں اور ان کے علاوہ ان کی دو کتب، "المستقبل لہٰذا الدین" اور "الاسلام و مشکلات الحضارۃ" ترجمہ کر ڈالیں۔ سید قطب کوئی عالم نہیں تھے، بلکہ بہت سے مغالطوں کے شکار ایک ادیب تھے اور علامہ البانی جیسے کئی جید علماء نے ان کو رد کیا ہے۔ یہی حال مولانا مودودی کا بھی تھا، وہ بھی ایک اچھے ادیب سے زیادہ کچھ نہ تھے۔ جنوری 1966ء میں علی خامنہ ای صاحب نے مودودی صاحب سے بھی رابطہ کیا اور ان کی تین کتابیں منگوائیں: "قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں"، "اسلام کا نظام حیات" اور "اسلامی دستور" (11)۔ اس وقت خامنہ ای صاحب کی عمر ستائیس سال تھی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب آقائے سید ہادی میلانی مشہد میں درسِ خارج دیا کرتے تھے، لیکن جوان لڑکوں کا ایک گروہ جو سید قطب اور مولانا مودودی کا دم بھرتا تھا، ان کے درس میں ہنگامے کرتا تھا۔ 1968ء میں مولانا نعمت اللہ صالحی نے "شہیدِ جاوید" نامی کتاب لکھ کر واقعۂ کربلا کی وہی تشریح پیش کی جو مولانا مودودی نے اپنی "خلافت وملوکیت" میں پیش کی تھی۔ اس میں

یہ کہا گیا کہ امام حسینؓ کا مقصد خلافت کا قیام تھا، جبکہ شیعہ عقیدے کے مطابق امام کا مقصد دین کو بچانا تھا۔ مراجع نے اس کتاب کو گمراہ کن قرار دیا اور آقائے صافی گلپائگانی نے اس کے جواب میں "شہید آگاہ" کے عنوان سے کتاب لکھی۔

عراق ایران تنازعہ اور شطرنج کے پیادے

1970ء کی دہائی میں عراق اور ایران میں شط العرب (اروند رود) نامی سرحدی علاقے پر تنازعہ چل رہا تھا۔ لہٰذا رضا شاہ عراق کے کردوں کی تو صدام حسین خمینی صاحب کی تحریک کی پشت پناہی کرتے تھے۔ عراق ایرانی صوبے بلوچستان میں بھی علیحدگی پسندی کی حمایت کر رہا تھا، چنانچہ بھٹو دور پاکستان میں عراقی سفارت خانے سے اسلحہ ملا اور ایرانی ہیلی کاپٹرز کی مدد سے بلوچستان میں آپریشن بھی کیا گیا۔ اگرچہ اس عرصے میں عراق میں آقائے محسن الحکیم اور ان کے بعد آقائے خوئی کے خلاف کئی اقدامات اٹھائے گئے، جن میں بڑی تعداد میں ان کے شاگردوں کو عراق بدر کرنا بھی شامل تھا، لیکن خمینی صاحب اور ان کے ساتھیوں پر کسی قسم کی کوئی پابندی نہیں تھی۔ چنانچہ نجف میں اپنے قیام کے دوران خمینی صاحب نے بھی عراقی حکومت کے کسی اقدام کے خلاف کوئی بیان جاری نہ کیا۔ بعض اوقات عراق کے ریڈیو کی فارسی نشریات میں خمینی صاحب کے پیغامات بھی نشر ہوتے تھے (12)۔ 1974ء میں خمینی صاحب نے ولایتِ فقیہ کے پرانے تصور میں محمد رشید رضا اور سید قطب کا نظریۂ سیاست ڈال کر ولایتِ فقیہ کا معنی و مفہوم بدل دیا۔ اس امتزاج (التقاطی تصور) کو انہوں نے "ولایتِ فقیہ یا حکومتِ اسلامی" کے عنوان کے تحت ایک کتاب کی شکل میں شائع کیا، جسے بعد میں "ولایتِ مطلقۂ فقیہ" کہا جانے لگا۔ ان خیالات کا رد آقائے خوئی کی کتابوں میں آیا ہے۔ یہ کتاب کافی حد تک محمد رشید رضا صاحب کی کتاب "الخلافۃ" کا چربہ ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے اپنے دلائل کی

کمزوری کے پیش نظر اپنے پیروکاروں کو ان نظریات کی مخالفت کرنے والے مراجع پر تہمت لگانے اور ان کے عمامے نوچ لینے کی ترغیب بھی دی(13)۔ یہ بات ان سے قبل آقائے بروجردی کے بارے میں فدائیانِ اسلام بھی کر چکے تھے(14)۔ چنانچہ 1977ء میں اصفہان میں آقائے خوئی کے نمائندے آقائے سید ابوالحسن شمس آبادی کو اخوانی نظریات کی مخالفت میں خطبے دینے پر اغوا کر کے قتل کر دیا گیا۔ اس واردات اور 2007ء میں پشاور میں دیوبندی طالبان کے ہاتھوں اپنے ہی مسلک کے شیخ الحدیث مولانا حسن جان کے قتل میں کافی شباہت ہے۔ 18 جون 1977ء کو علی شریعتی کثرت سگرٹ نوشی کی وجہ سے دل کا دورہ پڑنے سے انتقال کر گئے۔ وہ 1965ء میں قائم ہونے والی ایک اخوانی تنظیم "مجاہدینِ خلق" میں کافی طرفدار پیدا کر چکے تھے۔ یہ تنظیم بعد میں مسعود رجوی کی قیادت میں ایک جرائم پیشہ گروہ کی شکل اختیار کر گئی اور اس کے ارکان کا بہت بری طرح استحصال کیا گیا۔ اگست 1978ء میں خمینی صاحب کے پیروکاروں نے رکس سینما کو آگ لگا دی گئی جس میں چار سو افراد زندہ جل گئے۔

ملا نراقی اور سید احمد بریلوی کے تجربے سے سبق نہ سیکھا گیا

خمینی صاحب اہل تشیع میں ملاراج کی بات کرنے والے پہلے شخص نہ تھے۔ ان سے پہلے ایک اور صوفی، ملا احمد نراقی (متوفی 1829ء)، بھی اپنی کتاب "عوائد الایام" میں فقیہ کی ولایت کو بادشاہت کے رنگ میں پیش کر چکے تھے۔ یہ خیال انہوں نے بابائے تصوف افلاطون کے "فلسفی آمر" اور مدینۂ فاضلہ (Utopia) کے تصور کی بنیاد پر پیش کیا تھا۔ البتہ یہ اس دور کی بات ہے جب جدید سماج وجود میں نہیں آیا تھا، لہٰذا سلطانی فقیہ کا یہ تصور شخصی حکومت کے معنوں میں تھا، اور اس کا موجودہ نازی پارٹی کی طرز پر بنائے گئے نظامِ ولایتِ فقیہ مطلقہ کے ساتھ صرف لفظی اشتراک کا تعلق ہے۔ ستم ظریفی دیکھئے کہ ملا

نراقی نے بھی غیبی امداد کے وعدے دے کر 1826ء میں ایرانیوں سے ایک پڑوسی ملک (روس) کے خلاف ایک بے معنی جنگ کرائی تھی، جس کے نتیجے میں ایران کو آرمینیا سمیت کئی علاقوں سے ہاتھ دھونا پڑا اور جنگ بندی کی ذلت آمیز شرائط کا جامِ زہر پینا پڑا۔ یہ سب اسلیئے ہوا کہ ملا نراقی دنیا میں آئی ہوئی تبدیلیوں سے آگاہ نہ تھے۔ صوفیا جس چیز کو علمِ حضوری کہتے ہیں، وہ جہلِ مرکب ہوتا ہے۔ چنانچہ اٹھارویں صدی میں برصغیر میں شاہ ولی اللہ جب احمد شاہ ابدالی کو دہلی لوٹنے کی دعوت دے رہے تھے، تو انگریزوں کی سائنسی ترقی اور یورپ کے حالات سے بالکل بے خبر تھے، یوں ابدالی کا حملہ ہندوستان پر انگریزوں کے قبضے کا پیش خیمہ بنا۔ تاریخی طور پر دیکھا جائے تو صوفیائے کرام کی خانقاہیں غلام داری اور مریدوں کے آمرانہ استحصال کے مراکز بھی رہی ہیں۔ مرید کو اپنا پورا وجود شیخ و مرشد کی غلامی میں دینا ہوتا ہے اور وہ سوال نہیں کر سکتا۔ تصوف سیاسی طاقت حاصل کرے تو استبداد کی بدترین شکل بنتا ہے، اسی لیے فاشزم کو افلاطون کے یوٹوپیا کے سراب کی ترقی یافتہ شکل سمجھا جاتا ہے۔

ملا نراقی کے زمانے میں ہی ہندوستان میں اودھ کے ایک وہابی صوفی سید احمد بریلوی اور ان کے خاص مرید شاہ اسماعیل دہلوی (متوفی 1831ء) نے بھی 1827ء میں پشاور میں فقیہ کی حکومت قائم کی تھی جس نے تباہی کے سوا کچھ نہیں دیا تھا۔ سید احمد بریلوی بھی عرفانی باتیں کرتے تھے اور ان کو بھی امام کہا جاتا تھا اور مخالفت کرنے والے کو قتل کرنے کا حکم تھا (9)۔ ان کے سیاسی تصوف کو شاہ اسماعیل دہلوی نے اپنی کتاب "منصبِ امامت" میں پیش کیا ہے۔ یہ حضرات شاہ عبدالعزیز دہلوی کے شاگرد تھے، جن کی کتاب "تحفۂ اثنا عشریہ" اور اس کے نتیجے میں سید احمد بریلوی کی طرف سے تعزیے جلانے اور "تحریکِ مجاہدین" نام کی تنظیم بنانے سے برصغیر میں دہشتگردی کا آغاز ہوا۔ شاہ عبدالعزیز دہلوی نے معروف صوفی ملا صدرا کے تصوف پر "شرح ملا صدرا" کے عنوان سے

ایک کتاب بھی لکھی۔ ان کے پیروکار 1800ء کی دہائی میں دیوبندی اور اہل حدیث میں بٹ گئے۔

اربنائزیشن کے اثرات

1960ء کی دہائی میں ایران میں لوگ غربت سے نکل رہے تھے اور متوسط طبقے میں تیزی سے اضافہ ہو رہا تھا مگر ملک میں سیاسی تصورات پر علمی بحث اور مکالمے کی آزادی نہ تھی۔ 1973ء میں اوپیک نے تیل کی قیمت میں چارگنا اضافہ کرنے کا اعلان کیا جس سے ایران میں شہری ترقی کی رفتار تیز ہو گئی۔ ہزاروں طالب علموں کو وظائف دے کر مغربی ممالک میں جدید علوم سیکھنے کے لیے بھیجا گیا۔ 1976ء میں ایران کی 47 فیصد آبادی شہروں میں آچکی تھی۔ تہران کی آبادی پچاس لاکھ تک جا پہنچی تھی اور ہر دس میں سے ایک شہری کے پاس کار تھی (14)۔ نوجوانوں کی علمی وسعت کم اور توقعات بہت زیادہ ہوتی ہیں۔ شہروں کی نوجوان نسل میں کمیونزم اور اخوانیت تیزی سے پھیل رہے تھے۔ جن کے والدین دیہات سے شہر آئے تھے، وہ نوجوان جلدی شادی کر کے نکاح کا پاکیزہ تعلق قائم کرنا چاہتے تھے۔ دیہات میں معیار زندگی پست ہونے کی وجہ سے شادیاں جلدی ہو جاتی تھیں۔ لیکن شہروں میں رہنے والے متوسط طبقے میں شادی جلدی نہیں ہوتی، کیونکہ ان کا معیار زندگی بلند ہوتا ہے اور شہروں میں جوان ہوتے ہی ملازمت میسر نہیں ہو پاتی۔ عظیم الہیات دان ولہیم رائخ کے مطابق جنسی بھوک کا فاشزم سے گہرا تعلق ہے کیونکہ جنسی ناآسودگی غصہ پیدا کرتی ہے اور ایسے فرد کے لیے منطقی انداز میں سوچنا ممکن نہیں رہتا۔ وہ فاشزم کو جنسی ناآسودگی سے پیدا ہونے والی دیوانگی کا اجتماعی اظہار سمجھتے ہیں (15)۔ ان ناآسودہ جوانوں کے لیے اخوانیوں کا بلاسود قرضے دینے کا وعدہ اور کمیونسٹ پارٹی کا ریاست کو شادی کے بعد کی سب ضروریات پوری کرنے کا پابند بنانے کا جھوٹا وعدہ بہت

پرکشش تھا۔ حقیقت اس مغالطوں کے بالکل برعکس ہے۔ ریاست لوگوں کے خرچے نہیں اٹھاتی بلکہ ریاست کے خرچے لوگوں کو اٹھانے ہوتے ہیں۔ لوگ سرمایہ خرچ کر کے ریاست بناتے ہیں تاکہ وہ لوگوں کے لیے نظم وضبط کو بہتر بنا کر مسائل کم کرے اور اچھی زندگی گزارنے کا راستہ ہموار کرے۔ زندگی کو بہتر لوگوں نے خود بنانا ہوتا ہے۔

بہر حال کالج یونیورسٹی کے نادان بچوں میں کمیونزم اور اخوانیت پھیلنے سے ایران انقلاب کے لیے تیار ہو گیا تھا اور اس کے سوویت یونین میں ضم ہونے کا خطرہ منڈلا رہا تھا۔ 1977ء میں الجزائر میں ایران اور عراق میں دوستی کے معاہدے پر دستخط ہوئے جس کے نتیجے میں شاہ نے عراق کردوں اور صدام نے خمینی صاحب کی پشت پناہی ختم کرنے کا وعدہ کیا۔ خمینی صاحب فرانس چلے گئے اور مغرب کو ان میں ایسا کلہاڑا نظر آنے لگا جو ایران میں کمیونزم کے بتوں کو پاش پاش کر سکتا تھا۔ بی بی سی سمیت سب بڑے مغربی ذرائع ابلاغ ان کے پیغامات اور انٹرویو نشر کرنے لگے۔ ۱۹۷۹ء کا سال شروع ہوا تو ایران میں شاہ مخالف مظاہرے ہو رہے تھے۔ شاہِ ایران نے خانہ جنگی کا خطرہ منڈلاتا دیکھا تو شاپور بختیار کو وزیر اعظم بنا کر ملک سے نکل گئے۔ ایک تخمینے کے مطابق ایران کی گیارہ فیصد آبادی سڑکوں پر تھی۔ اس صورت حال کو سمجھنے کے لیے فرض کیجیے کہ اسلام آباد میں تین لاکھ اور لاہور و کراچی میں بیس بیس لاکھ لوگ سڑکوں پر نکل آئیں، اور انہیں اتنے ہی خاموش حامی بھی میسر ہوں، تو کیسا منظر ہوگا؟

اخوانی تصورِ وحدت: عدم برداشت اور مخالفین پر ظلم

اخوانی وحدت کی بات دھوکہ دینے کے لیے کرتے ہیں۔ اخوانی نظریات منطقی طور پر کمزور ہوتے ہیں، لہٰذا یہ لوگ ایک حد سے آگے اختلاف برداشت نہیں کر سکتے۔ 1979ء میں ایران میں انقلاب آنے کے بعد خمینی صاحب نے مراجع کے نظریۂ جمہوریت سے انحراف کرتے ہوئے رشید رضا اور مولانا مودودی والا نظام لاگو کر دیا۔ امریکی خفیہ

اداروں نے کمیونسٹوں کی کمین گاہوں کی معلومات مذہبی مجاہدین تک پہنچا کر اپنے دشمنوں کو ٹھکانے لگایا۔ یہاں آقائے طالقانی اور آقائے مرتضیٰ مطہری کی ناگہانی اموات کا ذکر بھی ضروری ہے کیوں کہ اس سے ایران میں نئی ریاست کی شکل گیری پر گہرا اثر پڑا۔ آج بھی یہ سوال حل طلب ہے کہ خانہ جنگی کے ماحول میں آقائے مطہری کو گارڈ کیوں فراہم نہ کئے گئے؟ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ فقیہ کو حکمران کے بجائے نظریہ پرداز کی شکل میں دیکھنا چاہتے تھے۔ آقائے طالقانی نے جمہوریت کے حق میں آقائے نائینی کی کتاب کو شائع کرنے کا اہتمام کیا تھا، انہیں دل کا دورہ پڑا تو ایمبولینس گھر کے قریب موجود دو ہسپتالوں کو چھوڑ کر تیسرے ہسپتال میں اس وقت پہنچی جب وہ انتقال کر چکے تھے۔ اب اخوانی لڑکوں کے لیے راستہ صاف تھا۔ اخوانی فاشزم کو قانونی شکل دینے میں مولانا سید محمد بہشتی نے اہم کردار ادا کیا، جو پانچ سال جرمنی میں رہ کر ہٹلر کے فاشزم کی جزئیات سے آگاہ ہو چکے تھے۔ اس پر قم کے مرجع اعلیٰ آقائے شریعتمداری نے احتجاج کیا تو ان پر باغی ہونے کی تہمت لگا کر نظر بند کر دیا گیا۔ چنانچہ باقی مراجع نے اپنی کتب میں ولایتِ مطلقہ فقیہ کو باطل کہنے اور علمی طور پر ولایتِ فقیہ کو امورِ حسبیہ تک محدود قرار دینے پر ہی اکتفا کیا۔

عراق میں 1968ء سے حاکم بعث پارٹی عرب نسلی فاشزم کی قائل تھی۔ جولائی 1979ء میں سنی اکثریتی علاقے تکریت سے تعلق رکھنے والے صدام حسین صدر بنے تو پارٹی میں اپنے مخالفین کو مار کر اقتدار اپنے قبیلے والوں میں بانٹ لیا۔ ستمبر 1980ء میں ایران عراق جنگ کا آغاز ہوا جس میں دس لاکھ لوگ مارے گئے۔ جنگ کا آغاز اس وقت ہوا تھا جب خمینی صاحب نے ایران پہنچ کر عراقی بعث پارٹی کے بارے میں اپنی سوچ بدلی اور عراقی عوام کو مذہبی فاشزم کی دعوت دینا شروع کی۔ شاید وہ آقائے خوئی کے لیے مشکلات بڑھا کر ان کے ہوتے ہوئے مرجع نہ بن سکنے کا بدلہ بھی چکانا چاہتے

تھے۔ صدام نے داخلی خطرے سے بچنے کے لیے ایران پر حملہ کر دیا اور عراق میں اخوانی علماء کو قتل کر دیا۔ خمینی صاحب سعودی وہابی علماء کو بھی اخوانی انقلاب کی دعوت دینے لگے تھے۔ اگر چہ سرد جنگ کے دوران سعودی عرب اخوان المسلمون اور جماعت اسلامی کی کتابوں کو مسلم دنیا میں نشر کرتا رہا تھا لیکن عوام آلِ سعود کی بادشاہت کو وہابی علماء کی حکومت سے بہتر سمجھتے تھے۔ خمینی صاحب اسلام کی اخوانی تشریح کو اسلامِ ناب کہتے تھے اور دوسری تشریحات کو، چاہے وہ شیعہ علماء نے کی ہوں یا سُنّی علماء نے، امریکی اسلام کہتے تھے اور ان دو تشریحات کی بنیاد پر مسلم دنیا میں نئی فرقہ بندی کی کوشش کر رہے تھے۔ انقلاب برآمد کرنے کے نعروں سے مسلم دنیا میں فرقہ وارانہ جنگ شروع ہوگئی، جس پر جلد ہی شیعہ سنی جنگ کا رنگ چڑھ گیا۔ صدام اور شاہ فہد اس فرقہ وارانہ قینچی کا ایک اور خمینی صاحب دوسرا دھارا تھے۔ اب کی بار امریکہ نے صدام کی حمایت کی۔ یہ جنگ خمینی صاحب کے لیے داخلی طور پر نعمت ثابت ہوئی۔ ان کی کارکردگی پر سوال اٹھانے اور غیر سودی معیشت جیسے وعدوں کا حساب لینے کے بجائے لوگ اپنے پیاروں کی لاشوں پر رونے میں مصروف ہو گئے۔ 1988ء میں خمینی صاحب نے جیلوں میں موجود سیاسی مخالفین کی تکفیر کا فتوٰی جاری کیا او ہمیشہ کی طرح اس اخوانی فتوے کی بھی قم یا نجف کے مراجع نے تائید نہیں کی۔ اس کے نتیجے میں ابراہیم رئیسی اور پور محمدی نامی ججوں نے حکومت کے پانچ ہزار سیاسی مخالفوں کو قتل کر دیا، جن میں سے اکثر "مجاہدینِ خلق" نامی تنظیم سے تعلق رکھتے تھے۔ خمینی صاحب کی وفات کے بعد مولانا سید علی خامنہ ای رہبر بن گئے اور ایران سید قطب کے روحانی فرزند کے ہاتھ میں آ گیا۔ 1994ء میں خامنہ ای صاحب نے حکومتی طاقت کے بل بوتے پر خود کو مرجعیت کے منصب پر بھی فائز فرما لیا۔ چونکہ انہیں اپنے کسی استاد نے بھی اجازۂ اجتہاد نہیں دیا تھا، لہٰذا انہوں نے معاصرین سے اپنے اجتہاد کا اعلان کروایا۔ مجلسِ خبرگان کے آقائے آذری قمی نے اعتراض کیا تو انہیں اندر کر دیا

گیا۔ صحافیوں کو خاموش کرانے کے لیے ٹارگٹ کلنگ کی گئی، جسے ایران میں "قتل ہائے زنجیرہ ای" کے نام سے جانا جاتا ہے اور یہی معاملہ صدر محمد خاتمی اور رہبر کے بیچ دراڑیں پڑنے کا سبب ہوا۔ قم کی شیعہ مرجعیت تاریخ کے سخت ترین دور سے گزر رہی ہے۔ آقائے شریعتمداری کے بعد آقائے حسن قمی، آقائے سید محمد روحانی، آقائے سید صادق روحانی، آقائے سید رضا صدر، آقائے منتظری، آقائے محمد شیرازی سمیت کئی شیعہ مراجع حکومتی عتاب اور قید و بند کا نشانہ بن چکے ہیں۔ آقائے وحید خراسانی، آقائے صادق روحانی، آقائے شبیری زنجانی اور دوسرے صف اول کے فقہاء سرکاری صحافیوں اور انتظامیہ کے دباؤ میں رہتے ہیں۔ آقائے صافی گلپایگانی نے دنیا سے اچھے تعلقات رکھنے کا مشورہ دیا تو سرکاری صحافیوں نے ان کو آڑے ہاتھوں لیا۔

ایران کی موجودہ صورتِ حال

آج بھی ایران میں سودی نظام ہے۔ اسلام نافذ نہیں ہو سکا، خمینی صاحب کے وعدے کھوکھلے ثابت ہوئے۔ تعلیمی نظام بھی مغربی ہے۔ سیاسی نظام پہلوی دور جیسا ہی ہے، صرف حکمران کا چہرہ اور لباس بدلا ہے۔ پہلوی دور کی طرح نمائشی انتخابات بھی ہوتے ہیں۔ البتہ حکومت کی طرف سے خواتین کے لباس پر کچھ دینی پابندیاں ضرور عائد کی گئی ہیں، اگرچہ اس کی بھی اسلامی مصادر میں کوئی نظیر نہیں ملتی۔ ایران کے مذہبی عوام یہ جان چکے ہیں کہ نفاذِ اسلام امام مہدیؑ کا کام ہے، وہ دوسروں سے نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس دھوکہ دہی کی وجہ سے ایرانی عوام میں الحاد پھیل رہا ہے، لوگوں کے ایمان کو شاہ کے دور سے زیادہ خطرہ ملا راج میں ہے۔ عوام کو طاقت کے مراکز کے خلاف احتجاج کرنے کا حق نہیں، سیدھی گولی چلائی جاتی ہے۔ سرکاری میڈیا پر کئی صحافی درباری منتر پڑھتے رہتے ہیں۔ مغرب ملاؤں کی مدد سے جہاں کمیونزم کے خلاف جہاد میں کامیاب ہوا ہے، وہیں

ایران کو جرمنی، کوریا یا جاپان جیسی معاشی طاقت بننے سے روک کر خطے میں اپنی مارکیٹ بچانے میں کامیاب رہا ہے۔ ایران کے اخوانی انقلاب کا ہی اثر یہ ہوا کہ دوسرے مسلمان ممالک میں علمائے دین کو تخت نشین کرنے کا جذبہ بڑھ گیا۔ اس سے خطے میں دہشتگردی اور فرقہ وارانہ کشت وخون میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے۔ لہذا یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ حکومت کے معنوں میں ولایتِ مطلقہ فقیہ کا پرانی ولایتِ فقیہ سے کوئی تقابل نہیں۔ یہ سیاسی تصور مسلمان معاشروں کے لیے اخوان المسلمون، القاعدہ، حزب التحریر اور طالبان وغیرہ کے تصورات کی طرح نقصان دہ ہے۔ ان سب کا ماخذ محمد رشید رضا، مودودی اور سید قطب کی سیاسی بدعت ہے۔ البتہ اخوانی شیعیت میں مصری سلفیت کا کٹر پن بظاہر جداگانہ اصطلاحات میں پیش کیا جا رہا ہے۔ علماء کی خلافت کا نام "ولایتِ مطلقۂ فقیہ" رکھ دیا گیا ہے، جدت سے مقابلے کو "مغربی تہذیبی یلغار سے مقابلہ" اور سلف کی طرف پلٹنے کو "روایات کی کتب سے اسلامی تہذیب بنانا" کہا جا رہا ہے۔ اسی وجہ سے موجودہ ایرانی نظام اور ہٹلر کی نازی ریاست میں گہری مماثلت ہے۔ فوہرر کا فارسی ترجمہ رہبر ہے اور اسے ماورائے آئین اختیارات حاصل ہیں۔ گسٹاپو کا کردار سپاہ پاسداران نبھا رہی ہے اور ہٹلر یوتھ کی نقل میں بسیج نامی تنظیم بنائی گئی ہے۔ گوئبلز کی مسند پر حسن عباسی بیٹھے ہیں اور اس سارے ڈھانچے کو نمائشی عدالتوں کی پشت پناہی حاصل ہے جو ہر سال سیکڑوں لوگوں کو سزائے موت دیتی ہیں۔

عراق میں سیکولر جمہوریت

2003ء کے بعد جب عراق میں نیا ریاستی ڈھانچہ بننے لگا تو اصولی اہل تشیع کے مرجع اعلیٰ آقائے سید علی سیستانی نے ولایتِ مطلقہ فقیہ کو رد کر کے جمہوریت کی حمایت کی اور حوزے کو علمی تحقیقات اور نیکی کی تبلیغ تک محدود رہنے کی نصیحت کی (17)۔ وہ ولایتِ مطلقۂ فقیہ کے ساتھ ساتھ تصوف کو بھی مسترد کرتے ہیں (18)۔

پاکستان کے لیے سبق

ایران جیسے تیل اور گیس سے مالا مال ملک میں نفاذِ اسلام کی ناکام مثال سے ہمیں یہ سبق سیکھنا چاہیئے کہ ملا راج پاکستان کو جبر، غربت، جہالت، خون خرابے، بیماریوں، پسماندگی اور ظلم کے سوا کچھ نہیں دے گا۔ افغانستان کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ پاکستان میں ہماری دین اور دنیا کی بھلائی قائداعظم کے سیکولر تصور پر چلنے میں ہے۔ سیکولرازم کا مطلب دین کو سیاست سے الگ کرنا نہیں، بلکہ علمائے کرام کو سیاست سے الگ رکھنا ہے۔ سیکولرازم یعنی جس کا کام، اسی کو ساجھے: ملک کو جدید خطوط پر چلانا جدید علوم کے ماہرین کا کام ہے اور اسلامی نظام بنانا امام مہدیؑ کا کام ہے، ان کی آمد سے قبل کسی اخوانی گروہ کے ہاتھوں استعمال ہونے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ پاکستان میں تازہ اعداد و شمار کے مطابق شہری آبادی کا تناسب 37 فیصد سے بڑھ چکا ہے، شہر بے قابو ہو کر پھیل رہے ہیں۔ اگر طالبانی سوچ کے سوا باقی سب کی آزادیٔ اظہارِ رائے ختم کی جاتی رہی اور توہینِ مذہب، سائبر کرائم لاء اور سرکاری اسلامیات کے نام پر مکالمے کا گلہ گھونٹا جاتا رہا تو تیزی سے بڑھتی ہوئی شہری آبادی سے اخوانی انقلاب آ سکتا ہے۔ یہ انقلاب اکثریتی طبقے کے لیے بھی عذاب ہوگا، جیسا کہ نازی پارٹی جرمنوں پر بھی جبر کرتی تھی۔ اس کے بعد الحاد کی لہر آئے گی۔ عوام کو چاہیئے کہ وہ اخوانی سوچ میں موجود گمراہیوں کے مقابلے میں خود بھی علم حاصل کریں اور دوسروں کو بھی آگاہ کریں۔

حوالہ جات:

1- (الف) سید مرتضیٰ تقوی، "نقدی بر مقالہ انظار فقیہان در ولایتِ فقیہ"، فقہ، شمارہ ۳، حوزہ علمیہ قم، 1374 شمسی[https://ensani.ir/fa/article/60110]

(ب) شیخ حسن اللہ یاری، البیان الوجیہ فی ابطال ولایۃ الفقیہ 1، 16 نومبر 2020ء [https://youtu.be/j1QLKyBrEDg]

2- محسن کدیور، "سیاست نامہ خراسانی"، صفحات 214، 215، طبع دوم، تہران سنہ 2008ء [https://kadivar.com/1253]

3- علامہ نائینی، "تنبیہ الامہ وتنزیہ الملہ"، صفحات 41، 42، طبع سوم، تہران، سنہ 1955ء

4- S. Behdad,"Islamic Utopia in Pre Revolutionary Iran: Navvab Safavi and the Fada'iane Islam". Middle Eastern Studies, 1997.

5- سید حسین خوش نیت، "نواب صفوی: اندیشہ ہا، مبارزات وشہادتِ او"، صفحات 127 اور 128، 1361 شمسی

6- رسول جعفریان، "جریان ہا وسازمان ہای مذہبی سیاسی ایران"، ص 267، 1394 شمسی

7- رسول جعفریان، "جریان ہا وسازمان ہای مذہبی سیاسی ایران"، ص 271، 1394 شمسی

8- S. Bohdan,"They Were Going Together with the khwan: The Influence of Muslim Brotherhood Thinkers on Shi'i Islamists during the Cold War". Middle East Journal, 2020.

9- ڈاکٹر مبارک علی، "المیۂ تاریخ"، باب 11، صفحات 107 تا 121، فکشن ہاؤس لاہور، (2012) [https://www.drmubarakali.org/urdu.html]

10- A. Mashayekhi, "Tehran, the Scene of Modernity in the Pahlavi Dynasty: Modernisation and Urbanisation Processes, 1925to 1979",Urban Change in Iran, 2015.

11- سید نثار علی ترمذی، "مولانا مودودی: داعئ وحدتِ امت"، صفحہ 129، البصیرہ، اسلام آباد، 2015ء

12- محسن کدیور، تہمت وپدیدہ موسیٰ موسوی، ۱۲ اسفند ۱۳۹۷ شمسی [https://kadivar.com/16913]

13- (الف) آڈیو فائل، عمامہ ہای شان را بردارید! امام خمینی بدون تحریف
[https://youtu.be/H3ct3WZ2rQM]

(ب) محسن کدیور، تہمت در حکومت اسلامی چاپ نجف، 21 بہمن 1397 شمسی
[https://kadivar.com/16895]

14- علی رہنما، "نیرو ہای مذہبی بر بستر حرکت نہضت ملی" صفحات 57 تا 76، 1384 شمسی

15- Wilhelm Reich,"The Mass Psychology of Fascism",Souvenir Press, (2008).

16- پروفیسر ارشد جاوید، "رہنمائے نوجوانی"، صفحات 56 تا 75، بیسٹ بکس پبلیکیشنز، لاہور، 2013ء

17- آقائے علی سیستانی، "النصوص الصادرہ"، ص 47، طبع ششم، بیروت، سنہ 2015ء

18- دست نوشتہ حضرت آقائے سیستانی وردوعدم تائید عرفان ابن عربی، 8 محرم الحرام، 1433 ہجری قمری [https://ebnearabi.com/3112]

☆☆☆
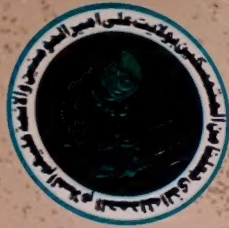
مقصد کربلا
علیؑ ولی اللہ
وجوبِ ولایتِ مولا علیؑ و آئمہ معصومینؑ
تحفظ و فروغ عزاداری امام حسینؑ
ولایتِ فقیہ و اجتہادی کی ردّ
حرمتِ سادات
فروغ
وطن عزیز پاکستان سے محبت
شعبہ نشر و اشاعت مرکز ولایت علیؑ پاکستان (سندھ)